نظیر اکبر آبادی کا کلام اور عہدِ حاضر کے سماجی و تہذیبی مسائل

Nazir Akbarabadi's poetry and the social and cultural issues of the present age

ڈاکٹر محسن خالد محسن

لیکچرار، شعبہ اُردو، گورنمنٹ شاہ حسین ایسوسی ایٹ کالج، چوہنگ، لاہور

ABSTRACT:

Nazir Akbar Abadi is a famous Urdu poet. All colors of life are present in his poetry He has written on ordinary topics which were ignored by other poets. The vocabulary of Nazir's poetry is very useful in compiling Urdu English Hindustani dictionary. All the religions, customs and festivals of India are the subject of his poetry. His poetry represents a section of society which has been ignored by the poets of that time. Nazir is a great Urdu naturalist poet. He has described every color of nature in poetry. He is poet of common man and all problems of common people are presented in his poetry. His poetry encompasses the whole of human society, His poetry is universal and his style is style of common man. Nazir describes in his poetry even the smallest incidents of daily life. When Nazir's regained consciousness, Muslims were in decline .the changing civilization had revolutionized the whole society. Nazir faced the situation with the help of satire and humor. His aim was to reform the nation. He was against western education because this education taking the girls away from their own culture. Nazir's poetry is not only a reflection of his own era but also reflects the problems of the present era.

Key Words: Nazir Akbar Abadi, His poetry, Described, Ordinary topics, Universal, Civilization, Revolutionized.

نظیر اکبر آبادی اردو ادب میں ایک منفرد اور جداگانہ مقام رکھتے ہیں۔ اردو میں اپنی طرز کے واحد شاعر ہیں۔ ان کی شاعری انوکھے فکر و خیال، منفرد احساسات و جذبات، زندگی کے گہرے مشاہدوں اور گوناگوں تجربوں کا مجموعہ ہے۔ نظیر اکبر آبادی انسان دوست، صوفی منش اور وسیع المشرب قسم کے آدمی تھے۔ اُنھوں نے شاعری میں زندگی کے حقائق کو بیان کیا ہے۔ زندگی کیا ہے؟ موت کیا ہے؟ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ دنیا میں رہ کر انسان کو کن کن حالات میں نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ ان مسائل کو انھوں نے جابجا بیان کیا ہے۔ ان مسائل کو بیان کرنے کا انداز ایسا ہے جس میں شعر کی نزاکت و رعنائی بھی ہے اور فکر کی گہرائی بھی۔ نظیر نے روزمرہ زندگی کا بہت گہرائی سے مشاہدہ کیا اور اپنے اشعار میں بڑی فن کاری کے ساتھ محفوظ کر لیا۔ نظیر کی شاعری ان کے عصر کی شاعری تھی۔ عوام کی زبان اور عوام کی زندگی میں نظیر مکمل رچ بس گئے تھے۔ ان کے ہاں زندگی اپنے تمام رنگوں کے ساتھ موجود ہے ۔ قوسِ قزح کے رنگوں کو ان کی شاعری میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ہر رنگ اپنی الگ شناخت پیش کرتا ہے۔ نظیر کی شخصیت اور شاعری

دونوں کو ان کے عہد کی زندگی اور زبان سے جدا کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ان کے ہاں عصری تہذیب کی ترجمانی اس قدر عمدہ اور حقیقت پسندانہ انداز میں ملتی ہے کہ نظیر اکبر آبادی ہر دور میں عصریت کی نمائندگی کرنے میں سرفہرست رہیں گے۔

نظیر اکبر آبادی کی شاعری زندگی سے بھرپور ہے۔ جس طرح زندگی کی روانی کبھی رکتی نہیں نظیر اکبر آبادی کی شاعری بھی نہیں رکتی بلکہ جوش و خروش سے رواں دواں رہتی ہے۔ روایت سے ہٹ کر شاعری کرنا ان کو ان کے عہد کے دیگر شعراء سے ممتاز کرتی ہے۔ شاعری میں اپنا نیا اسلوب ایجاد کیا اور شاعری میں سنجیدگی کا مفہوم بالکل بدل دیا۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری عام آدمی کی شاعری ہے جب ہم نظیر کو دیکھنا چاہیں تو یہ عام آدمی ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ اس عام آدمی سے گزر کر نظیر اکبر آبادی تک رسائی ہو سکتی ہے۔ روزمرہ زندگی کے معمولی سے معمولی واقعات کو بھی نظیر اکبر آبادی نے اشعار میں بیان کر دیا ہے۔ مشاہدہ کی گہرائی کی جس انتہا تک نظیر پہنچے ہیں، ان کے بعد کوئی اور شاعر اس انتہا تک نہیں پہنچا۔ انسانی زندگی میں ہر موڑ پر ایک نئی صورت حال کا سامنا کرنا اور اس طرح کی صورت حال میں نظیر اکبر آبادی اپنے آپ کو سنبھالتے نظر آتے ہیں۔ مشکل کی گھڑی میں کسی بیرونی سہارے کے منتظر کبھی نہ رہتے تھے۔ کیوں کہ یہ ان کی طبع کے خلاف تھا۔ وہ ایک بے لوث انسان ہونے کے ساتھ ساتھ کھلے دل کے مالک بھی تھے۔ اپنے دل کی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

سب کتابوں کے کھل گئے معنی
جب سے دیکھی نظیر دل کی کتاب(۱)

نظیر اکبر آبادی نے زندگی کو کیمرے کی آنکھ سے دیکھا اور اپنے اشعار میں بڑی فن کاری کے ساتھ محفوظ کر لیا۔ اس کا اندازہ ان کی نظموں کے موضوعات سے لگایا جا سکتا ہے۔ ان کے ہاں کوئی بھی چیز ان کی نظموں کا موضوع بن سکتی ہے چاہے وہ عام چیز ہو یا خاص۔ انھوں نے دال، روٹی، مفلسی، موت ،فنا، کوڑی، تل کے لڈو، بانسری صبح، شام، رات، عید، شب برات، فقیروں ،جوگیوں، دیوالی، راکھی، حضرت سلیم چشتی، حضرت علیؓ، کرشن کنہیا وغیرہ کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ نظیر اکبر آبادی اپنے عہد کی تہذیب و تمدن اور نقش و نگار کے مصور ہیں اور اپنے دور کی جیتی جاگتی تاریخ۔ نظیر اکبر آبادی کے کلام کے مطالعہ سے ایک زوال پذیر سلطنت کا، ایک اُجڑے ہوئے شہر کا، اُس زمانہ کی عوام کی حالت کا، اس عہد کے رہن سہن، علم و ادب اور تمدن کا تاریخی سماں بڑے خوبصورت انداز میں سامنے آجاتا ہے۔ موضوعات کے منفرد انتخاب کے ساتھ ساتھ نظیر اکبر آبادی نے الفاظ و محاورات کے چناؤ میں بھی اپنی یکسانیت کو قائم رکھا ہوا ہے۔ ان ہی خصوصیات کی بدالت نظیر اکبر آبادی کو بین الاقوامی شاعر کہا جاتا ہے۔ ان کے بین الاقوامی شاعر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے تمام مذاہب پر لکھا۔ مسلمانوں کی طرح ہندو بھی ان کو اپنا شاعر مانتے تھے۔ نظیر نے عوام کی روزمرہ زندگی میں استعمال ہونے والے الفاظ کو شاعری میں برتا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ شاعر معاشرے کا حساس طبقہ ہوتے ہیں اور عوام کی تمام ضروریات و مسائل پر ان کی نگاہ ہوتی ہے۔ تمام طبقہ کے لوگ شاعر کے لیے یکساں اہمیت رکھتے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری کا مدعا ہی عوام کی نمائندگی تھا۔ وہ شاعری کو جمہوری زندگی کا آئینہ سمجھتے تھے۔ جو شاعر اپنے کلام میں ایک مخصوص طبقہ کی نمائندگی کرے اور عوام کی زندگی کو قابل اعتنانہ سمجھے وہ معاشرت اور سماج کا مجرم ہے۔ نظیر اکبر آبادی خالص ہندوستانی شاعر تھے اور اپنے اردگرد کے عام سے عام واقعات سے اپنی شاعری کا مواد حاصل کرتے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی اردو کے پہلے شاعر ہیں جن کے کلام سے ہندوستان کے حالات، عام معاشرت اور یہاں کے رسوم و رواج کے متعلق تفاصیل مل جاتی ہیں۔ ان کا کلام اپنے عہد کی ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے کلام میں ہندو معاشرت، ہندو دیومالا، ہندو رسم و رواج، ہندو فلسفہ اور ہندو نجوم کے

حوالے ملتے ہیں جس سے نظیر اکبر آبادی کی ان علوم پر دسترس کی نشاندہی ہوتی ہے۔ان کی شاعری میں فطرت کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔انھوں نے کائنات کی معمولی سے معمولی چیز پر بھی شاعری کی ہے ۔فطرت کے تمام رنگ ان کے ہاں موجود ہیں۔ڈاکٹر سلام سندیلوی نے نظیر اکبر آبادی کی منظر نگاری پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"نظیر اکبر آبادی اردو کے بہت بڑے فطرت پرست شاعر ہیں۔ان کے یہاں منظر نگاری ضمنی طور پر نہیں پائی جاتی بلکہ منظر نگاری ان کے یہاں مقصود بالذات ہے۔نظیر فطرت برائے فطرت کے قائل ہیں۔انھوں نے فطرت کو ہر رنگ میں دیکھا اور ہر نظر سے دیکھا ہے۔"(۲)

نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں متنوع موضوعات اور ان موضوعات کے بیان کے لیے کثیر الفاظ کا استعمال ان کو ایک علیحدہ اور منفرد مقام دلاتا ہے۔اس کی تصدیق ڈاکٹر فیلن کے بیان سے ہوتی ہے۔ڈاکٹر فیلن نے جب ہندوستانی لغت مرتب کرنا شروع کی تو انہیں وسیع ذخیرہ الفاظ درکار تھے۔اس لغت کے سلسلے میں نظیر اکبر آبادی کی شاعری نے ایک جگنو کی طرح ڈاکٹر فیلن کی رہنمائی کی۔ڈاکٹر فیلن نظیر اکبر آبادی کی شخصیت اور ذخیرہ الفاظ کے بارے میں لکھتے ہیں:

In the written literature by far the larger numbers of extracts have been made from Nazir, the only true Hindustani poet, according to the European Standard of true poetry, and the poet whom native word worship will not allow to be a poet at all. Nazir is the only poet whose verses have made then way to the people. His verse are recited and sung in every street and lane, especially in the Native town of Agra, and missionaries, who are familiar with his poems, quote Him and Kabir with marked effect in their street preaching. Nazir possessed all the qualities of mind and feelings which distinguish genius. His own poems are his biography, for in them the man stands out life like and full of individuality. With no other materials for his portrait, certain features are conspicuous. He was in truth the azad (independent devotee) he professed himself. In the broadcast sense of the word, he was greatly independent, original, philosophic, and catholic. The veracity of his genius is seen in the many colored variety and subjects which be handled. (3)

ڈاکٹر فیلن کی بات بلکل درست ہے کیوں کہ نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں الفاظ خود رقصاں معلوم ہوتے ہیں۔ذخیرہ الفاظ ان کے پاس بہت زیادہ ہیں۔وہ اردو میں دیگر زبانوں کے الفاظ کو بھی بے تکلفی سے کھپا دیتے ہیں۔وہ اردو میں بھاشا، سنسکرت، ہندی، عربی، فارسی اور پنجابی زبان کے الفاظ کو بڑی مہارت سے استعمال کرتے ہیں۔نظیر اکبر آبادی کا شمار اردو کے ان محدود چند شاعروں میں ہوتا ہے جو اردو اور فارسی کے بندھے ٹکے موضوعات سے اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہیت اور موضوعات کے اعتبار سے نئے نئے تجربات کرتے ہیں۔شاعری میں نظیر اکبر آبادی کا سب سے پہلا امتیاز تو یہی قرار پاتا ہے کہ انھوں نے مغربی نظموں کی

تقلید اور نو آبادیاتی ایجنڈے سے آزاد رہ کر نظم کی صنف کو اس کی مماثل اصناف مثلاً قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ سے الگ انداز میں پیش کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جب نظیر اکبر آبادی نے ہوش سنبھالا تو اس وقت مسلمان رو بہ زوال تھے۔ بدلتی تہذیب نے پورے معاشرے میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔ جب نظیر اکبر آبادی نے اس سارے معاملے کا بغور جائزہ لیا اور محسوس کیا کہ اسلامی تہذیب میں خلل واقع ہو رہا ہے تو اُنھوں نے طنز و مزاح کے نشتر لے کر حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں قدم رکھے۔ نظیر اکبر آبادی کا مقصد قوم کی اصلاح تھا۔ وہ ایسی تعلیم کے سخت خلاف تھے جو عوام کو اپنی تہذیب سے گمراہ کر دے۔ نظیر اکبر آبادی اس مسئلے کی نشاندہی اپنے اشعار میں بھی کرتے ہیں:

یا پڑھ کے دو کتابیں اور کر کے علم حاصل
یا بھوت جن اتارے مشہور ہو کے عامل
جب دیو کا اجل کے سایہ ہوا مقابل
ملا رہا نا سیانا عالم رہا نہ فاضل(۴)

نظیر اکبر آبادی کے خیال میں تعلیم ایسی ہونی چاہیے جو انسانوں کو تہذیب، شرافت اور دیانت سکھائے اور اطمینان قلب بخشے۔ ایسی تعلیم جو لوگوں کو مختلف طبقات اور گروہوں میں بانٹ دے وہ قابل قبول نہیں۔ نظیر اکبر آبادی نے جس تعلیم کے حصول سے منع کیا تھا ان کے تمام خدشات بالکل صحیح تھے۔ آج عہد حاضر پر نگاہ ڈالیں تو ہمارے ملک میں رائج مغربی تعلیم ہمارے معاشرے میں ایک ایسا طبقہ پیدا کر رہی ہے جو اپنی ثقافت، فنون اور مذہب سے بیگانہ ہے۔ بظاہر تو یہ طبقہ پاکستانی ہے لیکن ان کے دل و دماغ پر مغرب کا مکمل غلبہ ہے۔ اس طبقہ کے احساس کمتری کا یہ حال ہے کہ یہ طبقہ انگریزی بولنا اور انگریزی بود و باش کو اختیار کرنا بڑے اعزاز کی بات سمجھتا ہے۔ اسی طبقے کو پاکستان میں اُونچے عہدے ملے ہوئے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد بھی ترقی کی رفتار بہت سست ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کا ساز و سامان بھی باہر سے منگوایا جاتا ہے۔ ایسی ترقی جس میں اپنے ملک کے لاکھوں کروڑوں افراد کے حقوق کی پامالی ہو اور انھیں نظر انداز کر کے باہر سے افراد کو بلایا جائے، نظیر اس ترقی کو پسند نہیں کرتے۔ نظیر اکبر آبادی نے مغربی تہذیب کی جی کھول کر مخالفت کی کیوں کہ یہ بے راہ روی سکھاتی ہے۔ نظیر اکبر آبادی کے عہد میں سرمایہ دارانہ نظام فروغ پا رہا تھا۔ کارخانوں اور ملوں کے قیام سے سماج میں کافی انقلاب رونما ہو رہے تھے۔ ان انقلابی تبدیلیوں سے نظیر اکبر آبادی بہت متاثر تھے۔ کیوں کہ یہ تبدیلیاں مشرقی تہذیب و اخلاق، اسلامی معاشرہ اور تعلیم سب کو متاثر کر رہی تھیں۔ اس موقع پر نظیر اکبر آبادی ایک مصلح اور مبلغ بن کر سامنے آتے ہیں اور اپنے طنز کے نشتر سے قوم کو بیدار کرتے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کو ان کے عہد میں رجعت پسند کہا گیا۔ انھوں نے اپنی ناتواں آواز کے ذریعے جہاد کیا اور اپنے مقصد کو جاری رکھا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ اس جہاد کی کامیابی سے مایوس ہو گئے اور لکھتے ہیں:

یہ موجودہ طریقے راہی ملک عدم ہوں گے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے سامان بہم ہوں گے
نئے عنوان سے زینت دکھائیں گے حسین اپنی
نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہوں گے

نہ خاتونوں میں رہ جائے گی یہ پردہ کی پابندی
نہ گھونگھٹ اس طرح سے حاجت روئے صنم ہوں گے
بدل جائے گا انداز طبائع دور گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے غم ہوں گے
عقائد پر قیامت آئے گی ترمیم ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہوں گے(۵)

نظیر اکبر آبادی کی دوررس نگاہوں نے پہلے ہی مستقبل میں ہونے والے ثقافت کے انقلابات کو بھانپ لیا تھا۔ آج عہد حاضر میں ہمارا ملک جن مسائل سے دوچار ہے اس کی نشاندہی نظیر اکبر آبادی پہلے ہی اپنے کلام میں کر چکے ہیں۔ زندگی کے تمام شعبوں کے مسائل کو انھوں نے ظرافت کا لبادہ اوڑھا کر پیش کیا۔ کیوں کہ ان کے عہد میں کھلے الفاظ میں کسی بھی بات کو بیان کرنا آسان نہ تھا۔ نظیر اکبر آبادی کی ہمت کی داد دینا پڑتی ہے کہ طنزومزاح کی آڑ میں ہنستے ہنساتے سارے معاملات کی عکاسی کرتے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کی ظرافت میں ایک بلند مقصد پوشیدہ ہے وہ بظاہر ہنستے ہنساتے ہیں لیکن جب یہ ہنسی رک جاتی ہے تو انسان معاشرے کی حالت زار پر رونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر تحسین فراقی، نظیر اکبر آبادی کی دوررس شخصیت کے بارے میں رقم طراز ہیں:

”اردو شاعری میں اکبر جیسے توحید پرست، حق آگاہ، صاحب بصیرت اور توازن شعار کم ملیں گے اور ایسے شعرا کا وجود کسی بھی تہذیب یا ملت کے لئے مایہ افتخار ہوتا ہے۔ ایسی مربوط اور گتھی ہوئی شخصیت تہذیبوں کی پیش رفت کا باعث بنتی ہیں، انہیں افراط و تفریط سے بچاتی ہیں اور انہیں باثروت کرتی ہیں۔ اکبر کی شخصیت ایک مضبوط مرکز ثقل کی گوہی دیتی ہے۔ وہ اپنے باطن کے عالمِ اکبر سے آگاہ تھے۔ ایک ایسے شاعر جو دیر تک اور دور تک دیکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور جن کے بارے میں کہا گیا ہے:

شاعر اندر سینہ ملت چو دل
ملتے بے شاعرے انبار گل(۶)

نظیر اکبر آبادی جیسے عظیم اور عقابی نگاہوں والے شاعر نے آنے والے وقت کی مشکلات کو پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔ انھوں نے اس کے اظہار کے لئے ایک نیا اور منفرد انداز اختیار کیا۔ اپنا مقصد بھی بیان کر دیا اور کسی کو برا بھی نہ لگا بلکہ ہنستے ہنستے لوگوں کو سوچنے کا نیا موڑ دے دیا۔ ایک ایسا موڑ جس پر چل کر وہ مستقبل میں اپنے لیے اچھا راستہ اپنا سکتے ہیں اور سماج سے مغربی تہذیب کے اثرات کو زائل کرنے میں اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں۔ اکبر کے صحیفہ کمال کا روشن ترین عنوان اخلاق و معاشرت ہے۔ ان کی شاعری کی جان ان کی اخلاقی اور معاشرتی تعلیمات ہیں۔ ان کا پرچار وہ طنزومزاح کے پیرائے میں کرتے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کے کلام میں معاشی مسائل کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔ نظیر اکبر آبادی کا معاشرے کے مسائل کو بیان کرنے کا انداز نہایت دلچسپ ہے۔ وہ درد کو ہنسی کے اندر ملا کر طنز کی چادر اوڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی نے بغیر کسی فرق و امتیاز کے گردوپیش کی اشیا، عام انسانوں اور ان کے کثیر مشغلوں کی رنگینی

اور رونق کو اپنی شاعری میں بیان کیا ہے۔ یہی نہیں ان کی زندگی اور شاعری اس عہد کے معاشرے کی دلچسپیوں اور ترجیحات کی حتمی گواہ بن جاتی ہے۔ نظیر اکبر آبادی پہلے شاعر ہیں جنھوں نے ’روٹی‘ کی اہمیت کو اپنی شاعری میں بیان کیا ہے۔ نظیر اکبر آبادی کے عہد میں روٹی کا مسئلہ اتنا اہم معلوم ہوتا ہے جتنا آج کے عہد میں اہم ہے۔ نظیر اکبر آبادی کے زمانے کے لوگ روٹی کو زندگی کے تمام مسائل سے وابستہ سمجھتے تھے۔ آج کے دور میں بھی یہ مسئلہ جوں کا توں ہے۔ ان کے کلام میں ایک اور معاشی مسئلہ کا بیان بھی ملتا ہے۔ یہ معاشی مسئلہ ’آٹے دال‘ کا ہے۔ سماج کے ہر گھر کا مسئلہ ہے۔ ان کی مخمس ’آٹے دال‘ کی مثال اس سلسلے میں اہم ہے۔ اردو کا ایک مشہور محاورہ ’آٹے دال کا بھاؤ‘ اکثر سننے میں آتا ہے کہ فلاں شخص کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو گیا ہے۔ یعنی معاشی تنگی نے اسے پریشان بنا دیا ہے۔ آٹے دال کے بھاؤ کو نظیر اکبر آبادی یوں بیان کرتے ہیں:

کیا کہوں یاروں میں نقشہ خلق کے احوال کا
اہل دولت کا چلن یا مفلس و کنگال کا
یہ بیان تو واقعی ہے ہر کسی کے حال کا
کیا تونگر کیا غنی کیا کیا پیر اور کیا بالکا (۷)

جب سماجی ناہمواری اور معاشی مسائل کا تذکرہ ہو تو پیسے کی کمی کا ذکر کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ سب مسائل پیسے کے نہ ہونے سے یا پیسے کی کمی سے پیدا ہوتے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی نے پیسے پر نظم لکھ کر ایسا کمال کیا ہے جو کوئی کامل فن کار ہی کر سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

پیسہ ہی حسن دیتا ہے انسان کی بات کو
پیسہ ہی زیب دیتا ہے بیاہ اور بارات کو
بھائی سگا بھی ان کے پوچھے نہ بات کو
بن پیسے یاروں دولہا بنے آدھی رات کو
پیسہ ہی رنگ روپ ہے پیسہ ہی مال ہے (۸)

نظیر اکبر آبادی کی یہ نظمیں روٹی، آٹے دال اور پیسہ میں ایک ایسے معاشرے کی عکاسی ہوتی ہے جہاں پر لوگ ذہنی اور اخلاقی پستی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ باہمی اخلاق و محبت کا فقدان ہو چکا ہے اور جذبات کی کوئی قدر نہیں رہی۔ ہر چیز کو پیسوں کے ترازو میں تولا جا رہا ہے۔ یعنی جانچ کا معیار صرف پیسہ بن چکا ہے۔ نظیر اکبر آبادی نے فنی چابک دستی سے اپنے عہد کے مسائل کو ہمارے سامنے پردہ چاک کر کے پیش کر دیا ہے۔ اگر ہم عصر حاضر میں اپنے ملک کے معاشی حالات پر نگاہ ڈالیں تو نظیر اکبر آبادی کی یہ تینوں نظمیں ہمیں موجودہ معاشی صورت حال میں بھرپور ترجمانی کرتی نظر آتی ہیں۔ کیوں کہ آج بھی لوگ اس ملک میں روٹی، آٹے دال اور پیسے کی کمی سے متاثر نظر آتے ہیں۔ جس طرح نظیر اکبر آبادی کے عہد کے لوگ ایک دوسرے کے جذبات کو پیسے کے ترازو میں تولتے تھے، عصر حاضر میں بالکل ویسا ہی ہو رہا ہے۔ نظیر اکبر آبادی بجا طور پر عصری شعور کے ترجمان ہیں کیوں کہ انھوں نے بڑی مہارت سے ان مسائل کو ہماری نظروں کے سامنے متحرک کیا ہے جو تقریباً ہر عہد کے لوگوں کو درپیش رہے ہیں۔ ایسا کوئی عام انسان نہیں کر سکتا کیوں کہ اس کے لیے فن کارانہ مہارت درکار ہوتی ہے جو کہ قدرت نے نظیر کو عطا کر رکھی تھی۔ پیسے کی کمی سے انسان مفلسی کا شکار ہو جاتا

ہے اور روز مرہ زندگی کی ضروریات کے حصول کے لیے اسے کافی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ طنز و مزاح کے بادشاہ نظیر اکبر آبادی نے اپنی طویل نظم 'مفلسی' میں مختلف پیشہ کے لوگوں کی مفلسی کی بدولت ہونے والی حالت زار کو بیان کیا ہے۔ یہ لوگ مفلسی کی وجہ سے اپنے فن اور پیشے کو بھول جاتے ہیں۔ انسان کو حرام اور حلال میں تمیز نہیں رہتی اور شرم و حیا فضا میں اُڑ جاتی ہے۔ مفلس کو کسی محفل میں چین نہیں ملتا، مختلف محفلوں میں اس پر فقرے کسے جاتے ہیں۔ مفلسی ایسی بری حالت ہے کہ یہ انسان کو کلمہ بھی بھلا دیتی ہے۔ اس کی منظر نگاری نظیر اکبر آبادی نظم 'مفلسی' میں پیش کرتے ہیں:

کہنے کو اب حکیم کی سب سے بڑی ہے شان
تعظیم جس کی کرتے ہیں نواب اور خان
مفلس ہوئے تو حضرت لقمان کیا ہیں یاں
عیسیٰ بھی ہو تو کوئی نہیں پوچھتا میاں
حکمت حکیم کی بھی ڈباتی ہے مفلسی
جو اہل فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں
مفلس ہوئے تو کلمہ تک بھول جاتے ہیں(۹)

نظیر اکبر آبادی نے عوام کے تمام مسائل کو اپنی شاعری میں بیان کیا ہے اسی لیے انھیں ''عوامی شاعر'' کہا جاتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی عوامی شاعر ہیں اور ان کی شاعری میں مقامی رنگ ہے۔ نظیر اکبر آبادی کے مقامی رنگ کے حوالے سے ہندوانہ تہوار اور میلوں کی تفصیل بھی ان کی شاعری میں موجود ہے۔ ان میلوں اور تہواروں کا پس منظر چاہے کچھ ہو، نظیر اکبر آبادی نے اسے اپنی نظموں میں پیش کیا ہے۔ میلوں، ٹھیلوں کے مقامی رنگ سے قطع نظر نظیر اکبر آبادی کی رگ و پے میں اپنے ماحول کی محبت ایسی رچی ہوئی تھی کہ اس کا ثبوت ان کے منتخب کردہ موضوعات ہیں۔ مثلاً ہندوستان کے موسموں، پھلوں، ترکاریوں، میووں اور مٹھائیوں کو نظیر اکبر آبادی نے بطور موضوع منتخب کیا ہے۔ نظیر اکبر آبادی ایک حساس دل کے مالک تھے انھوں نے تمام طبقہ کے انسانوں کی نمائندگی کی ہے۔ وہ طبقہ جسے اس دور کے خاص مشاہیر شعرا نے پست سمجھ کر ٹھکرا دیا تھا اور ناقابل توجہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ نظیر اکبر آبادی نے اپنے کلام میں اس طبقہ کی نمائندگی کی۔ وہ اردو شاعری کی تاریخ میں انسانیت کے بہت بڑے علمبردار ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کے زمانہ میں امیر، غریب، شریف اور رذیل کے خانوں میں انسانیت کو تقسیم کر دیا گیا تھا۔ وہ سماج کے خود ساختہ اصولوں کے مخالف تھے کیوں کہ یہ خود ساختہ اصول انسانیت کو اذیت دے رہے تھے۔ اس کو نظیر اکبر آبادی اپنی نظم 'آدمی نامہ' میں بیان کرتے ہیں:

دنیا میں بادشاہ ہے سو وہ بھی ہے آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار، بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی(۱۰)

نظیر اکبر آبادی کھلی آنکھوں کے شاعر تھے۔ وہ اپنے وسیع مشاہدے کے راستے پر سفر کر کے حقیقت کی منزل تک پہنچتے ہیں۔ اس لئے سارا منظر کھول کر بیان کرتے ہیں اور کوئی پہلو پوشیدہ نہیں رکھتے۔ وہ اس طرح منظر نگاری کرتے ہیں کہ آدمی ان رنگوں میں اپنی تکمیل کے نشان پاتا ہے۔ نظیر بڑی مہارت سے مختلف رنگوں اور زاویوں کے ہجوم سے آدمی کا خاکہ تیار کرتے ہیں۔ ہر رنگ اور

ہر زاویہ ان کے آدمی نامے میں کسی نہ کسی نئی جہت کو روشن کرنے کا ذریعہ تھا۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری موجودہ سماج اور تہذیب کے ارتقا کی آئینہ دار ہے۔ نظیر اکبر آبادی متحدہ قومیت کے حامی تھے۔ عصر حاضر میں جب ملکی اور بین الاقوامی سطح پر حالات کی کشیدگی کو کم کرنے کی کاوشیں کی جاتیں ہیں تو متحدہ قومیت کی ہی بات کی جاتی ہے۔ نظیر اکبر آبادی کی نظم 'آدمی نامہ' میں زندگی اور کائنات کے حقائق کی ترجمانی ہوتی ہے۔ ان کی حقیقت نگاری سے یہ تاثر بھی پیدا ہوتا ہے کہ وہ یا تو انسانی کمزوریوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں یا انسانی سرشت کے پیش نظر انھیں معاف کر دینے کی تلقین کر رہے ہیں۔ نظم ''آدمی نامہ'' کا شمار نظیر اکبر آبادی کی بہترین نظموں میں ہوتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی کی نظم ''آدمی نامہ'' کے بارے میں ڈاکٹر محمد ذاکر لکھتے ہیں:

> ''یہ ہندوستان اور ہندوستانیت یا کسی روایتی موضوع تک محدود نہیں بلکہ یہ پورے آدمی کا، پورے انسانی سماج کا احاطہ کرتی ہے، وہ بھی محض ایک محدود تاریخی دور ہی کے آدمی یا سماج کا نہیں بلکہ اس کی معنویت آفاقی رنگ دکھاتی ہے، اس میں نظیر آدمی کو ہر محدود نظر اور نظریے سے بے پرواہ ہو کر دیکھتا ہے اور دکھاتا ہے۔ آدمی ویسے بھی اس کے ہاں سپاٹ، گھٹا گھٹا، ٹھس اور بے رنگ اکائی نہیں ہے۔''(۱۱)

نظیر اکبر آبادی نے چھوٹے، بڑے، امیر، غریب، طاقتور اور کمزور کی تقسیم کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ اس لیے ان کو سیاسی باغی نہیں کہہ سکتے کیوں کہ انھوں نے سماج کے تمام طبقات کی نمائندگی کی ہے۔ ان کی نظم 'آدمی نامہ' انسان دوستی کا ایسا منشور ہے جس میں انسان اور محض انسان کا تصور ہمارے سامنے آتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی نے خود کو عوام سے اس درجہ تک وابستہ کر لیا تھا کہ عوام کی زندگی کی حقیقتوں کا قریبی مطالعہ ان کی شاعری کا ایک اہم رنگ بن گیا۔ نظیر اکبر آبادی ایک فن کار کی طرح اپنی نظموں میں تفصیل اور جزئیات نگاری سے کام لیتے ہیں۔ واقعہ نگاری کو کمال مہارت سے بیان کرتے ہیں اور نظم کے مروجہ معیار سے انحراف کر کے ایک نیا اور منفرد اسلوب ایجاد کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نظیر اکبر آبادی کی شخصیت اور اسلوب کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> ''نظیر کی شخصیت کا سب سے بڑا اور اہم پہلو ان کا عوامی کردار ہے۔ وہ اپنے میر صاحب یا مرزا صاحب ہونے پر فخر نہیں کرتے نہ انھیں فلاں بن فلاں ہونے پر ناز ہے۔ نہ وہ کسی شاہ کے مصاحب بن کر اتراتے پھرتے ہیں۔ وہ بیچارے ایک غریب مدرس ہیں جو روزانہ ایک ٹٹو پر بیٹھ کر بستی تاج محل سے آگرہ تک لڑکوں کو پڑھانے جاتے ہیں۔ یہ ان کی زندگی کا کاروباری پہلو ہوا۔ تفریحی پہلو یہ تھا کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق صرف عوامی میلوں، ٹھیلوں، تہواروں اور تقریبوں میں شریک ہو سکتے تھے۔ اس لیے ان کے یہاں نہ تو وہ شخصیت ہے جو ''سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپہ گری'' ہونے پر فخر کرے۔ نہ وہ جسے اپنی سعادت پر ناز ہو نہ وہ جو ملک الشعرا ہو نہ وہ جسے دیدہ ور یا دانائے راز ہونے کا دعویٰ ہو۔ وہ ایک عام انسان اور عوامی کردار کے ساتھ ہمارے سامنے آتے ہیں اور یہی شخصیت ان کے اسٹائل یا اسلوب کی بنیاد قرار پاتی ہے۔ چوں کہ یہ شخصیت ایک سچی اور اصلی شخصیت ہے جو نہ خود کسی فریب میں مبتلا ہے اور نہ کسی دوسرے کو فریب میں مبتلا کرتی ہے۔ اس لیے بہت معمولی سطح پر ہونے کے باوجود یہ ہمیں اپنی طرف کھینچتی ہے، یہاں

تکلف اور تصنع کے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ تعلیٰ، دعوے اور علم و فضل کے غرور کے حجابات چاک ہو جاتے ہیں۔ جس طرح نظیر کی شخصیت ہم میں گھل مل جاتی ہے۔اسی طرح ان کا اسلوب بھی ہمارے دل پر اثر کرتا ہے، یہ وہ اسلوب ہے جسے(style of common man)عام انسان کا اسلوب کہہ سکتے ہیں اور اسی لیے ایسے اسلوب کے مقابلے میں جس کا حلقہ اثر محدود ہو وہ مخصوص ہوس کی ہمہ گیری مسلم ہے۔"(۱۲)

نظیر کے زمانے میں ہندوستان کی دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان باہم متحد تھے۔ دونوں قومیں ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں برابر شریک ہوتی تھیں۔ ایک دوسرے کے تہواروں اور میلوں میں شرکت کرتے تھے۔اس خوشگوار ماحول میں نظیر کا اسلوب پروان چڑھا۔ یہی خوشگوار ماحول ان کی شاعری میں بھی منعکس ہوتا ہے۔ نظیر نے جہاں شب برات اور عید پر نظمیں لکھیں ہیں وہاں ہولی، دیوالی اور بسنت پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ نظیر نے دونوں مذاہب کی مقدس ہستیوں پر بھی نظمیں لکھیں ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عباس، حضرت شیخ سلیم چشتی، شری کرشن، گرو نانک وغیرہ پر نظمیں لکھ کر اپنی جداگانہ شخصیت کا لوہا منوایا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان نظموں میں موضوع کی مناسبت سے الفاظ کا چناؤ، اصطلاحات کا استعمال بڑی فن کارانہ مہارت سے کیا ہے۔ وہ خود بھی ان تہواروں اور میلوں میں جاتے تھے۔ عوامی زندگی کے قہقہوں، کھیل تماشوں، تفریحات اور ان کے دکھ سکھ میں برابر کے شریک تھے۔ جذبہ حیات اپنی سادہ حقیقتوں کے ساتھ جس طرح عوامی زندگی میں رقص کناں ہوتا ہے، اس کی حقیقی تصویر نظیر کے کلام میں ملتی ہے۔ نظیر اکبر ابادی کی شاعری میں علامتوں کا استعمال بکثرت ملتاہے۔ ہندوستان کی بربادی، زوال اور انتشار کا نقشہ انھوں نے علامات کے ذریعے پیش کیا ہے۔ انگریزوں کی برصغیر میں آمد، ان کے ڈھائے گئے مظالم اور استحصال کو ڈھکے چھپے انداز میں علامتوں کا سہارا لے کر بیان کیا ہے۔ اکبر کے ہاں علامتوں کے کثرت استعمال کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ خود سول سروس سے منسلک تھے۔ اس لیے دل کی بھڑاس نکالنے کا یہ ایک کامیاب حربہ تھا۔ انھوں نے نہ صرف پرانی علامتیں استعمال کیں بلکہ نئی علامتیں بھی ایجاد کیں۔ اس طرح روایت سے ہٹ کر نیا انداز اختیار کر کے اپنی انفرادیت قائم کی۔

ان علامتوں میں بت، پیر و مرشد، مس، صیاد، بدھو، شیخ، برہمن، ناؤ، جہاز، اُونٹ، بلڈ اگ، زاغ، اُلو، پروانہ، شمع، کلیسا، مسجد اور دیر وغیرہ نمایاں ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کے ہاں ہر علامت کا ایک مخصوص مفہوم ہے۔ مثلاً بت انگریزوں کی علامت ہے۔ پیر و مرشد سر سید احمد خاں کی، اُونٹ مسلمانوں کی، گائے ہندوؤں کی، شیخ مسلمانوں کی مذہبی جماعت کا نمائندہ، جہاز اور کشتی ملک کی، زاغ اور اُلو انگریزوں کے نقالوں کی اور ملک دشمن لوگوں کی اور بدھو عام مسلمانوں کی نمائندگی اور نشاندہی کرتی ہیں۔ جہاں تک ایمیجری کے استعمال کا تعلق ہے تو نظیر اکبر آبادی کی ایمیجری کا مطالعہ بہت دلچسپ ہے۔ ان کی ایمیجری جدت سے بھرپور ہے نظیر اکبر آبادی نے علامتوں کی طرح ایمیجری میں بھی اپنی انفرادیت کو قائم رکھا۔ انھوں نے روایتی ایمیجری کے ساتھ ساتھ نئی ایمیجری استعمال کی ہے۔ ان کی کلیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم جس دنیا کے باشندے ہیں وہاں جدید ایجادات میں کوئی کمی نہیں آئی اور روز نت نئی چیزیں ایجاد ہوتیں ہیں۔ ان جدید ایجادات میں میز، کرسی برقی لیمپ، بجلی، ریل گاڑی، ٹیلی فون، ٹیلی گراف، دوربین اور موٹر وغیرہ شامل ہیں۔ جدید و قدیم ایمیجری کا استعمال ان کی شاعری کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ نظیر اکبر آبادی اپنے عہد کے اور بعد میں آنے والے شعرا کے لیے ایک نمونہ بن گئے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کی انفرادیت کا ایک اور پہلو ان کی قافیہ بندی میں نئی ایجادات ہے۔ نئے خیالات کے اظہار کے لئے قافیے بھی نئے درکار تھے۔ ان کے ایجاد کردہ نئے قافیے ہنسی کا موجب بنتے ہیں اور پڑھنے والے

بھرپور طریقے سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ کوئی قوم اور کوئی معاشرہ کتنی بھی ترقی کیوں نہ کرلے اپنی بنیادی قدروں کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔ نظیر اکبر آبادی نے اپنے عہد کے لوگوں کو یہی تلقین کی کہ اپنے تہذیبی ورثہ اور ثقافتی سرمائے کی قدر کرو اور حفاظت کرو۔ اور اپنی روایات پر مستحکم ہو کر دنیا بھر کے علوم سیکھو۔ اگر نظیر اکبر آبادی کے ان نظریات کو موجودہ دور میں دیکھیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ ایک ترقی یافتہ معاشرہ کی ضمانت اسی میں ہے کہ وہ قدیم اور جدید روایات کے درمیان توازن رکھے کیوں کہ قدیم اور جدید روایات کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس کی وضاحت مجنوں گورکھپوری نے اس طرح کی ہے:

> "ماضی سے بے تعلق اور الگ ہو کر حال اور مستقبل دونوں دھوکے ہیں۔ ہر مستقبل کا ایک ماضی اور ہر ماضی کا ایک مستقبل ہوتا ہے۔ ہم کسی ایسے ماضی کا تصور نہیں کر سکتے جو مستقبل کی پیش رس جھلک اپنے اندر نہ رکھتا ہو اور نہ ہی ایسا مستقبل ہماری سمجھ میں آتا ہے جس میں ماضی کے زندہ اور صالح برق پارے (electron) پوشیدہ طور پر کام نہ کرتے ہوں۔" (۱۳)

نظیر اکبر آبادی نے قدیم اور جدید تہذیب کی کشمکش کو محسوس کیا۔ اس تصادم سے عوام کو بہت دقت ہو رہی تھی۔ نظیر اکبر آبادی چاہتے تھے کہ عوام جدید تہذیب کو ضرور اپنائیں لیکن ساتھ ساتھ قدیم تہذیب کو بھی یاد رکھیں۔ کیوں کہ زمانے کی ترقی کے ساتھ چلنے میں ہی بقا ہے اگر جدید علوم سے استفادہ حاصل نہ کیا تو زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں گے، لیکن جدید علوم کے ساتھ اپنی مشرقی اقدار کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں اس کا پرچار کیا گیا ہے۔ وہ جدید علوم سے استفادہ حاصل کرنے کو مسلمانوں کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کہتے ہیں:

پیدا ہوئے ہیں ہند میں اس عہد میں جو آپ
خالق کا شکر کیجئے ، آرام کیجئے
بے انتہا مفید ہیں یہ مغربی علوم
تحصیل ان کی بھی سحر و شام کیجئے(۱۴)

نظیر اکبر آبادی نے مغربی تعلیم کو حاصل کرنے کو مفید قرار دیا کیوں کہ زمانے کی ترقی کی رفتار کے ساتھ جدید علوم کے حصول کے بعد ہی چلا جا سکتا ہے اور اس سلسلے میں اساتذہ کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ اگر وہ طالب علموں میں پڑھائی سے رغبت پیدا کریں تو علم سے فائدے لیے جا سکتے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی استادوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

فریب دے کر نکالے مطلب ،سکھائے تحقیر و مذہب
مٹادے آخر کو دین و مذہب ،نمود ذاتی کو گو بڑھاوے
یہی بس اکبر کی التجا ہے ،جناب باری میں یہ دعا ہے
علوم و حکمت کا درس ان کو پروفیسر دیں سمجھ خدا دے (۱۵)

نظیر اکبر آبادی نے تعلیم کو معاشرے کی ترقی کے لئے ضروری جزو قرار دیا ہے۔ صرف یہی نہیں انھوں نے زندگی کے ہمہ گیر پہلو اور ہمہ جہت مشاہدہ کو اپنی فن کارانہ صلاحیتوں کی بدولت اپنے اشعار میں محفوظ کر لیا۔ موجودہ دور میں زندگی تغیر پذیر ہے ،انقلابات کا عہد ہے۔ نقد و بصیرت کی نئی شاہراہیں تعمیر کی جا رہی ہیں اور پرانی قدریں بدل رہی ہیں۔ پرانے معیارات کی جگہ تحقیق و

تجسس کی پختہ بنیادوں پر نئے خیالات کے محل تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ جب اس نئی کسوٹی پر مختلف شخصیات کا از سر نو جائزہ لیا گیا تو معدودے چند کے کسوٹی پر کوئی پورا نہ اترا اور ایسی شخصیات جن کو زمانے نے فراموش کر رکھا تھا نگاہوں میں آ گئیں۔ ان میں ایک نام نظیر اکبر آبادی کا بھی ہے۔ نظیر کو سمجھنے کے لیے ان کے ماحول میں داخل ہونا بہت ضروری ہے کیوں کہ نظیر نے شعر کے عصری ادارے کے خلاف بغاوت کر کے اپنا نیا اور اچھوتا ادارہ قائم کیا۔ اس جدت طرازی کا ثبوت یہ ہے کہ جب نظیر کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ نظیر کے عہد کی فضا ان کے مزاج کی مناسبت سے نہ تھی، اس لیے نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں عصری شعور موجود ہے۔ اردو کے شاعروں کے ہاں یہ عنصر بہت کم ہے اور جتنا ہے وہ اتنے پردوں میں چھپا ہوا ہے کہ اس کو ڈھونڈنا کافی مشکل ہے۔ اردو کا کوئی شاعر ایسا نہیں جس کا کلام پڑھ کر اس کے زمانے کی معاشرت اور سماجی حالات کی بھرپور عکاسی ہو سکے۔ نظیر اکبر آبادی کا کلام نہ صرف ان کے اپنے عہد کی منظر نگاری کر رہا ہے بلکہ عصر حاضر کے سماجی اور معاشرتی مسائل کی بھی واضح تصویر پیش کر رہا ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ نظیر کا کلام ہر دور کی معاشرت، حالات و واقعات کو بڑی مہارت سے آئینہ میں سجا دیتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انتخاب کلیات نظیر اکبر آبادی، مولف سید جلال الدین، انوار احمدی پریس، الہ آباد، ۱۹۲۲ء، ص:۱۴۸

۲۔ سلام سندیلوی، ڈاکٹر، اردو شاعری میں منظر نگاری، نسیم بک ڈپو، لکھنو، ۱۹۶۸ء، ص:۳۱۶

3. A New Hindustani English Dictionary, S.W. Fallon, Leader Press Allahabad, 1879.P, V111

۴۔ انتخاب کلیات نظیر اکبر آبادی، مولف سید جلال الدین، انوار احمدی پریس، الہ اباد، ۱۹۲۲ء، ص:۲۰۳

۵۔ محمود الٰہی، پروفیسر، منتخب نظمیں، اترپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۸ء، ص:۳۶

۶۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، افادات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص:۲۲

۷۔ انتخاب کلیات نظیر اکبر آبادی، مولف سید جلال الدین، انوار احمدی پریس، الہ اباد، ۱۹۲۲ء، ص:۹۸

۸۔ ایضاً، ص:۱۷۳

۹۔ ایضاً، ص:۱۰۳

۱۰۔ ایضاً، ص:۹۱

۱۱۔ محمد ذاکر، ڈاکٹر، نظیر کا آوازہ بلند، حیدر پریس دہلی، ۲۰۰۳ء، ص:۲۴

۱۲۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، نظیر اکبر آبادی ان کا عہد اور شاعری، اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۵۷ء، ص:۱۳۰

۱۳۔ مجنوں گورکھپوری، ادب اور زندگی، مکتبہ دانیال، کراچی، ۱۹۴۹ء، ص:۱۶۹

۱۴۔ محمود الٰہی، پروفیسر، منتخب نظمیں، اترپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۸ء، ص:۶۵

۱۵۔ ایضاً، ص:۳۶